ایمانِ حقیقی کے سرچشمے

بسلسلہ "حقیقت ایمان" از : ڈاکٹر اسرار احمد

(ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور کے مرتب کردہ "حقیقت ایمان" کے مباحث میں سے ایک اہم بحث سہواً شائع ہونے سے رہ گئی تھی، اسے اب ذیل میں ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے)

(۱) قرآن حکیم :

ایمان کا سب سے بڑا منبع و سرچشمہ خود قرآن حکیم ہے۔ سورۃ الانفال میں سچے اہل ایمان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا : ﴿...وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا...﴾ "اور جب ان کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان میں اضافہ کر دیتی ہے۔"

ان نشتوں میں یہ بات وضاحت سے سامنے آچکی ہے کہ معرفتِ رب ہر انسان کے دل میں ودیعت شدہ ہے اور ضرورت صرف اسے جلا دینے یعنی activate کرنے کی ہے اور یہ صرف نورِ وحی سے ہی ممکن ہے۔ چنانچہ جب فطرتِ سلیمہ پر نورِ وحی کا نزول ہو گا تو نورِ ایمان وجود میں آجائے گا۔

ہمارا انسانی وجود ایک مرکب وجود ہے جو جسد اور روح پر مشتمل ہے۔ ہمارے جسدِ خاکی کی تمام ضروریات اس زمین سے پوری ہوتی ہیں۔ لیکن ہمارا روحانی وجود عالمِ امر کی شے ہے اور اس کے تغذیہ و تقویت کے لئے اللہ تعالیٰ نے عالمِ بالا سے قرآن حکیم نازل کیا ہے۔ ہماری زمینی حیات کا مبدأ پانی ہے اور یہی ہماری زندگی کا سرچشمہ ہے۔ عالمِ حیاتیات میں جو کام پانی سرانجام دیتا ہے وہی کام عالمِ امر میں قرآن کرتا ہے۔

ہماری پوری تحریک، جدّوجُہد اور جستجو کا یہی فلسفہ ہے کہ قرآن حکیم ایمان و یقین کا منبع و سرچشمہ ہے اور ضرورت صرف تعلیم و تعلّم کے ذریعے اسے عام کرنے کی ہے اور اسی ذریعے سے شعوری ایمان پیدا ہو گا۔

(۲) صحبتِ صاحبِ یقین :

صاحبِ یقین کی محفل اور صحبت اختیار کرنے سے غیر شعوری یا تقلیدی ایمان پیدا ہو گا، کیونکہ یہ خالص طبعی عمل ہے۔ مثلاً آپ آگ کے سامنے بیٹھے ہیں تو آپ کو حرارت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لازماً پہنچے گی، آپ کی کوئی محنت ہے یا نہیں، نہ آپ نے دماغ لڑایا نہ آپ کا ہاتھ ہلا نہ آگ جلائی، لیکن کیونکہ آپ آگ کے پاس ہیں لہٰذا حرارت ملے گی۔ اسی طرح آپ برف کی سِل کے قریب بیٹھیں تو ٹھنڈک پہنچے گی چاہے آپ خود اس کیلئے کوئی محنت کریں یا نہ کریں۔

اسی لئے قرآن حکیم مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ : ﴿ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ ﴾ (التوبة : ۱۱۹) "سچوں کے ساتھ رہو" نتیجتاً تم خود بھی سچے بن جاؤ گے۔

اور قرآن حکیم کی اصطلاح میں سچے کون ہیں؟ فرمایا:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ ﴾

(الحجرات : ۱۵)

"مؤمن تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر انہوں نے کوئی شک نہیں کیا اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کیا، صرف یہی لوگ (دعوائے ایمان میں) سچے ہیں۔"

© rasailojaraid.c

اور وہ لوگ سچے نہیں ہو سکتے جو ساری عمر تنہائی میں بیٹھ کر ضربیں ہی لگاتے رہے اور جہادِ فی سبیل اللہ کے لئے نہیں نکلے۔ ان کا تصورِ دین ہی محدود ہے یا پھر فرائضِ دینی کا تصور ناقص ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں :

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیّری
کہ رسمِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

مَیں تو اُس ایمان کا قائل ہوں جو صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کا ایمان ہے یا گزشتہ صدی میں تحریکِ شہیدین کے لوگوں کا ایمان، یعنی سید احمد بریلوی شہید اور سید اسماعیل شہید اور ان کے ساتھی (رحمهم الله تعالٰى رحمةً واسعةً) یہ لوگ ذکر و فکر کی حد تک تصوف کے بھی قائل تھے اور انہوں نے اس کا نام "سلسلۂ محمدیہ" تجویز کیا ہوا تھا۔ جس کا لازمی جزو تھا جہاد فی سبیل اللہ۔ اور یہ جذبہ یقین کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایک عام آدمی کے لئے یقین کے مقام تک پہنچنے کے لئے "صاحبِ یقین" کی صحبت از حد ضروری ہے اور آسان ترین راستہ ہے۔ اس کے لئے نہ کوئی شعوری اور intellectual محنت درکار ہے اور نہ ہی کسی غیر شعوری اور non intellectual محنت کی ضرورت ہے، بس

© rasailojaraid.c

Physical قرب کی ضرورت ہے۔

(۳) عملِ صالح :

تقلیدی یا غیر شعوری ایمان کا دوسرا ذریعہ عملِ صالح ہے۔ مثلاً ایک شخص اسلام میں داخل ہو گیا، نہ اُس کے دل میں مثبت طور پر ایمان موجود ہے اور نہ ہی منفی انداز میں نفاق موجود ہے، گویا کہ وہ زیرو پوائنٹ پر کھڑا ہے۔ چونکہ اس کا دھوکہ دینے یا بے ایمانی کا کوئی ارادہ نہیں ہے لہٰذا عملِ صالح کے ذریعے ایمان پیدا ہو گا۔ [1]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (الحجرات : ۱۴)

”یہ بدّو کہتے ہیں ہم ایمان لا چکے ہیں۔ (اے نبیؐ) کہہ دیں تم ہرگز ایمان نہیں لائے، بس یہ کہو کہ ہم اسلام (یا اطاعت) میں داخل ہو گئے ہیں، اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے۔ اور ہاں اگر تم اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو گے تو وہ تمہارے اعمال میں کچھ بھی کمی نہیں کرے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے“۔

تو معلوم ہوا کہ اگر دل ایمان سے خالی ہو اور ظاہری اطاعت ہو تب بھی اللہ کے ہاں اعمال ضائع نہیں ہوتے کیونکہ اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور نیک اعمال کوئی بانجھ عمل نہیں ہے، بلکہ بڑا productive اور profound عمل ہے۔ صحیح نماز پڑھی جائے اور دل میں ایمان پیدا نہ ہو، یہ کیسے ممکن ہے؟ متعدد بار [2] ایسا ہوا کہ کوئی دیہاتی، کوئی بکریاں چرانے والا، کوئی دور دراز مقام پر رہنے والا آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا : یا رسول اللہ! دین مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ یا پوچھا : میری کم سے کم ذمہ داریاں کیا ہیں؟ میں جنت میں جانا چاہتا ہوں، بس مختصر سا راستہ بتلا دیں۔ اس قسم کے سوالات کے جواب میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ”اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، طاقت ہو تو حج کر لو“۔ طالبِ حقیقت نے اقرار

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.

کیا کہ میں یہ سب کچھ کروں گا۔ تو جب وہ شخص محفل سے ذرا دور ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا : "جس کسی نے جنتی دیکھنا ہو اُسے دیکھ لے وہ جا رہا ہے"۔ جس طرح شعوری ایمان کے نتیجے میں عمل صالح پیدا ہوتا ہے اسی طرح عمل صالح کے نتیجے میں ایمان پیدا ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ عمل صالح کے ذریعے جو ایمان پیدا ہو گا وہ غیر شعوری (non intellectual) اور تقلیدی ہو گا۔ دورِ حاضر کے مسلمانوں کی اکثریت اس لئے مسلمان ہے کہ اُن کے والدین مسلمان تھے۔ لیکن اگر انہوں نے نماز پڑھی' روزے رکھے اور دیگر نیک اعمال کئے تو اُن اعمال کے ذریعے کچھ نہ کچھ ایمان پیدا ہو گا' چاہے انہیں اُس کا شعور نہ ہو' اُس کے دلائل اور تفصیلات معلوم نہ ہوں' انہوں نے ذہنی محنت نہ کی ہو اور نہ ہی ایمان کی خاطر قربانی دی ہو' لیکن بہرحال عمل کے ذریعے بھی ایمان پیدا ہو گا اور ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.co

منزلِ ایمان کا راستہ' اسلام :

سورۃ الحجرات کی آیت ۱۴ ذہن میں رکھیں اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ اُن لوگوں کے بارے میں ہے جو نہ مخلص مؤمن تھے اور نہ ہی دھوکہ باز منافق۔ بس کسی وجہ سے اسلام میں داخل ہو گئے۔ اِنہی لوگوں میں سے کچھ حضرات نے رسول اللہ ﷺ پر اس طرح کی دھونس جمانی چاہی کہ ہم بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے مسلمان ہوئے ہیں۔ اِن حالات میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

(الحجرات : ۱۷)

"(اے نبیؐ) یہ لوگ آپ پر احسان دھر رہے ہیں کہ اسلام لے آئے۔ فرما دیں : مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ دھرو بلکہ اللہ تم پر احسان دھرتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کا راستہ دکھایا (اگر تم اپنے دعوائے اسلام میں) سچے ہو۔"

تو آیت سے معلوم ہوا کہ ظاہری اسلام "منزلِ ایمان" کا راستہ ہے لیکن اگر معاملہ برعکس ہو اور انسان ظاہری اسلام میں بھی دغاباز اور جھوٹا ہو تو پھر یہ راستہ نفاق کی طرف

© rasailojaraid.co

جاتا ہے۔ اور نفاق کی جملہ پستیاں ہم بیان کر چکے ہیں۔

عمل صالح اور صحبتِ صاحبِ یقین سے جو ایمان پیدا ہو گا اس کا نتیجہ غیر شعوری اور تقلیدی (non intellectual) ایمان ہے۔ عوام کی عظیم اکثریت اسی ایمان کو مانتی اور جانتی ہے اور ان کے لئے یہی کفایت کرتا ہے۔

صوفیاء کا طرزِ دعوت و تزکیہ :

ہمارے ہاں کے صوفیاء انہی دونوں طریقوں پر عمل کرتے تھے : (۱) صحبت جو بیعتِ اِرشاد کی پہلی کڑی ہے۔ (۲) بھاری مشقتیں اور عملی ریاضتیں یعنی مراقبے' اشغال' تپسّیائیں اور چِلّے وغیرہ۔ یہ سب کیا ہے ؟ عمل کی شدت ہی تو ہے۔

آج کے دور میں اس طریق کار (methodology) کو تبلیغی جماعت نے بڑے پیمانے پر اختیار کیا ہے۔ "اسلام کی نشأۃ ثانیہ' کرنے کا اصل کام" نامی کتابچے میں تجزیہ کرکے میں نے بتایا ہے کہ دورِ جدید یا عصرِ حاضر کی دینی تحریکوں میں کیا کمی ہے۔ میرے خیال میں ان جماعتوں کو ایمان پر جس قدر زور دینا چاہئے تھا انہوں نے نہیں دیا' بلکہ اسلام کی جِدّ و جُہد اور تحریک پر زیادہ زور دیا ہے۔

© rasailojaraid.c

تبلیغی جماعت اور اس کا کام :

دورِ حاضر کی دینی تحریکوں میں صرف "تبلیغی جماعت" نے ایمان کو موضوع بنایا ہے اور انہوں نے ایک اصطلاح ہی "ایمان کی محنت" وضع کر ڈالی ہے۔ یعنی چالیس دن کے لئے نکلو' ہمارے ساتھ رہو۔ مسجد کے ماحول میں رہنے کی برکت سے کم سے کم چالیس دن تک تو کوئی نماز قضا نہیں ہو گی' بلکہ تکبیرِ اولیٰ بھی نہیں چھوٹے گی۔ معاشرتی برائیوں سے بچے رہو گے' مثلاً جھوٹ' گالی گلوچ' غیبت وغیرہ وغیرہ۔ ریڈیو' ٹی وی' ٹیپ ریکارڈر وغیرہ سے نشر ہونے والی بالجبر موسیقی کی آواز سے محفوظ رہو گے۔ گویا کہ یہ چلتی پھرتی خانقاہیں اور تربیت گاہیں ہیں۔ فرائض کی پابندی کے ساتھ ساتھ نفلی کام ہیں' اذکار ہیں' دعائیں ہیں' ہر موقع کی مناسبت سے مسنون دعائیں ہیں۔ عملی محنت کے طریق کار کو تبلیغی جماعت نے اس دور میں بڑے پیمانے پر اپنایا ہے۔ البتہ اس میں فکر' ذہن' سوچ کا کوئی دخل نہیں۔ آپ کیوں اور کیسے کا سوال بھی نہیں کر سکتے۔ قرآن حکیم کا صرف متن

© rasailojaraid.c

پڑھو، تلاوت کرو اور ثواب حاصل کرو۔ ترجمہ بھی مت پڑھو ـــــ اور یہیں سے میرا تبلیغی جماعت سے نقطۂ اختلاف (Point of departure) شروع ہو جاتا ہے۔

بہرحال جو کام پہلے صوفیائے کرام ڈیرہ زن قسم کی اپنی خانقاہوں اور تربیت گاہوں کے ذریعے کیا کرتے تھے وہی کام اب تبلیغی جماعت گھوم پھر کر کر رہی ہے۔ حفیظ جالندھری کا شعر ہے ؎

کیا پابندِ نَے نالے کو مَیں نے
یہ طرزِ خاص ہے ایجاد میری

یہ طریق کار ایجاد ضرور ہے لیکن Intellectual سطح پر نہیں ہے۔ بہرحال اس ذریعے سے بھی تقلیدی ایمان حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اس راہ میں آنے والی ریاضتوں اور مشقتوں کو آپ نفسیاتی ریاضتیں بھی کہہ سکتے ہیں۔ ذکر کی کثرت ایک auto suggestion کے درجے میں بھی آسکتی ہے۔ یہ سارے طریق کار آج بھی جدید نفسیات میں استعمال ہو رہی ہیں۔

علامہ اقبال کا موقف اور ریاضتیں

علامہ اقبال نے کہا ہے "آج کا انسان اتنی شدید مشقتوں کا متحمل نہیں ہو سکتا جس قدر پچھلے زمانے کا انسان تھا"۔ ان کی یہ بات بڑی pragmatic اور بڑی حقیقت پسندانہ ہے۔ ہم لوگ آسانیوں اور آسائشوں کے عادی ہو گئے ہیں۔ زندگیوں میں وہ مشقت نہیں رہی۔ ایک زمانہ تھا کہ سال ہا سال تک جنگلوں کی سیر ہو رہی ہے۔ ہمارے صوفیاء کے تذکرے چھپے ہوئے ہیں کہ چالیس چالیس، پچاس پچاس سال تک گزر گئے اور ریاضتیں جاری رہیں۔

آگے چل کر علامہ اقبال کہتے ہیں کہ : "آج کے لئے کوئی اور techniques ایجاد کرنا ہوں گی"۔ میرے نزدیک علامہ کی بات صدفی صد درست ہے، کیونکہ جو بوجھ اور مشقتیں صوفیاء کرواتے تھے انہیں تو پڑھ کر ہی آدمی کانپ جاتا ہے۔ اگر ایمان کا حصول ان مشکلات و مصائب پر منحصر ہے تو ایمان بڑی نادر چیز کا نام ہے اور اس کا حصول انتہائی دشوار ہے۔

© rasailojaraid.com

نورِ ایمان حاصل کرنے والوں کے مراتب

ذرا گہرائی سے دیکھیں تو جس قدر انسان اس دنیا میں آباد ہیں اتنے ہی راستے اللہ کی طرف جانے والے ہیں۔ ہر ایک کی اپنی طبیعت اور اپنا مزاج ہے۔ اور ہر آدمی اپنی طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے راستے کا انتخاب کرے گا۔ لیکن بغرضِ تفہیم ہم ان انسانوں کو تین درجوں میں تقسیم کر لیتے ہیں۔

(۱) صِدّیقین : جس شخص کی فطرت صالحہ ہے یا فطرت سلیمہ ہے' آئینۂ قلب صاف وشفاف ہے' دل زندہ و بیدار ہے' روح بے تاب ہے۔ وہ جب دعوتِ ایمان قبول کرتا ہے تو اس کا شمار صِدّیقین میں ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : ﴿ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت : ۸۴) "جب وہ قلبِ سلیم لئے اپنے رب کے حضور پیش ہوا" ـــــ اُس کا دل یعنی فطرت سلیم ہے اور مسخ شدہ (perverted) نہیں ہے یا یوں کہہ لیں کہ اُس پر پردے یا زنگ نہیں ہے۔ دل زندہ و بیدار ہے' ؂

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تُو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

ایسے ہی افراد کے بارے میں قرآن حکیم کہتا ہے : ﴿ لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ ﴾ (ق : ۳۷) یہ بات اُس شخص کو سمجھ آئے گی جس کے پاس دل ہو۔ قلب تو سب کے پاس ہوتا ہے' مراد ہے "قلبِ بیدار۔" ہاں' واقعتاً کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کو اندر ہی سے محسوس ہو رہا ہوتا ہے کہ حقیقت وہ نہیں جو نظر آ رہی ہے' بلکہ کچھ اور ہے۔ کنفیوشس ایک حکیم انسان تھے' ان کا جملہ ہے :

There is nothing more real than what cannot be seen and there is nothing more certain than what cannot be heard.

"جو اِن آنکھوں سے دیکھی نہ جا سکے اُس سے بڑی حقیقت کوئی نہیں ہے اور جو ان کانوں سے سنی نہ جا سکے اُس سے زیادہ یقینی بات کوئی نہیں ہے"۔

مولانا رومؒ کی مثنوی کے اس شعر کے مصداق کہ

بشنو از نے چوں حکایت می کند وز جدائی ہا شکایت می کند

© rasailojaraid.com

روحِ انسانی اس زنداں خانے میں آکر اللہ سے حجابات کی شکایت کرتی ہے۔ فطرتِ سلیمہ کے مالک، آئینۂ قلب صاف و شفاف، دل زندہ و بیدار اور روح بے تاب، یہ صدیقین کی صفات ہیں۔ ایسے لوگوں کے سامنے جونہی نورِ وحی آتا ہے قبول کر لیتے ہیں جیسے اسی کے لئے بے تاب بیٹھے تھے۔ اس زمرے میں سیّد الصِّدّیقین حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ ہیں جن کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

((مَا عَرَضْتُ الْاِسْلَامَ عَلٰی اَحَدٍ اِلَّا کَانَتْ لَهٗ کَبْوَةٌ اِلَّا اَبُوْبَکْرٍ فَاِنَّهٗ لَمْ یَتَلَعْثَمْ فِیْ قَوْلِهٖ))(۴)

"میں نے جس شخص کے سامنے بھی اسلام کی دعوت رکھی اس نے کچھ نہ کچھ توقف ضرور کیا سوائے ابوبکر کے، انہوں نے ایک لحظہ کا بھی توقف نہیں کیا۔"

یہ توقف نہ ہونے کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ سب کچھ اندر نورِ فطرت کی شکل میں موجود تھا۔ بس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے نورِ وحی کی چمک دکھائی اور وہ جاگ اٹھا۔

نورِ وحی کی خوبصورت ترین مثال قرآن حکیم میں اِن الفاظ کے ساتھ بیان ہوئی ہے :

﴿ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ کَمِشْکٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ کَاَنَّهَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَکَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍ ۙ یَّکَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ ﴾

(النور : ۳۵)

"اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ (۵) (کائنات میں) اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو، چراغ ایک فانوس میں ہو، فانوس کا حال یہ ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا، اور وہ چراغ زیتون کے ایک ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی، جس کا تیل آپ ہی آپ بھڑکا پڑتا ہو چاہے آگ اس کو نہ لگے، (اِس طرح روشنی پر روشنی (بڑھنے کے تمام اسباب جمع ہو گئے ہوں)۔ اللہ اپنے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

نور کی طرف جس کی چاہتا ہے راہنمائی کرتا ہے‘ وہ لوگوں کو مثالوں سے بات سمجھاتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے"۔

صدیقین کے ایمان کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ ذاتی طور پر فطرت سلیم‘ قلب شفاف‘ روح بیدار و بے تاب‘ آئینہ قلب زندہ‘ جیسے ہی نورِ وحی آیا جگمگا اٹھا۔ تو معلوم ہوا کہ نورِ ایمان کے دو جزو ہوئے‘ نورِ فطرت + نورِ وحی۔ دونوں مل گئے تو "نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ" بن گئے‘ اسی کے بارے میں کہا گیا ہے۔ ؎

نغمے بے تاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لئے
اک ذرا چھیڑ تو دے زخمۂ مضرابِ حیات

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ امام ابن قیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ ان کی ایک کتاب "الفوائد" ہے۔ یہ تفسیر نہیں‘ بلکہ مقالات کا مجموعہ ہے۔ سورۃ ق کی آیت ۳۷ ہے:

﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ ۝ ﴾

"اس میں نصیحت ہے ہر اُس شخص کے لئے جو دل رکھتا ہو یا جو توجہ سے بات کو سنے"۔

یہاں حرف "اَو" (بمعنی "یا") آیا ہے‘ واوَ (بمعنی "اور") نہیں آیا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایمان کی تحصیل کی دو صورتیں ممکن ہیں۔ یا دل بیدار ہو یا کم سے کم انسان بات کو کان لگا کر اور دھیان سے سنے۔

امام ابن قیمؒ اس آیت کے حوالے سے کہتے ہیں:

"کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ قرآن پڑھتے ہیں تو محسوس کرتے ہیں کہ قرآن مصحف میں لکھا ہوا نہیں ہے بلکہ اُن کے لوحِ قلب پر لکھا ہوا ہے‘ گویا کہ اپنی فطرت اور قرآن میں اتنی کامل مطابقت محسوس کرتے ہیں"۔

اور یہ مقام صرف صِدّیقین کو حاصل ہے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔

(۲) **مجوبین**: دوسرے اور درمیانی درجے میں "محجوبین" آتے ہیں جن کے دل پر کچھ حجابات اور پردے ہیں‘ کچھ زنگ آ گیا ہے‘ آئینۂ دل پر گرد پڑ گئی ہے‘ گویا کہ "محجوب" ہو گئے ہیں‘ اور یہ حجابات چار قسم کے ہوتے ہیں:

© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co

(۱) عدمِ توحید۔

(۲) دنیاداری میں انہماک۔(۶)

(۳) اعمالِ بد کا زنگ۔(۷)

(۴) خواہشاتِ سفلیہ (حُبِّ دنیا + حُبِّ مال + حُبِّ شہرت + حُبِّ جاہ)(۸)

ایسے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ افہام و تفہیم کے انداز میں انہیں کچھ سکھایا اور پڑھایا جائے اور اُن کے عقلی حجابات دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ ایسے لوگوں کے لئے قرآن کا ایک اپنا طریق کار ہے۔ ایسے ہی لوگوں کو توجہ دلانے کے لئے قرآن کہتا ہے :

﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ○ ﴾ (آل عمران : ۱۹۰)

"بیشک زمین و آسمان کی پیدائش میں اور رات اور دن کو باری باری لانے میں اہلِ دانش کے لئے نشانیاں ہیں"۔

© rasailojaraid.com

اسی لئے شاعر نے کہا ہے ؎

برگِ درختانِ سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

اور اس قسم کی نشانیاں ہر انسان کے اندر بھی موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ○ وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ○ ﴾

(الذاریات : ۲۱)

"اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لئے، اور خود تمہارے اپنے وجود میں ہیں، کیا تم کو سوجھتا نہیں؟"

دوسری جگہ فرمانِ ربانی ہے :

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ﴾

(فُصِّلَت / حٰم السجدۃ : ۵۳)

"عنقریب ہم اُن کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور اُن کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ اُن پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے"۔

اگر حجابات بہت گہرے نہیں ہیں تو آفاقی و انفسی آیات پر غور کرنے سے اللہ یاد آ ہی جائے

© rasailojaraid.com

گا اور پردے دُور ہو جائیں گے ؎

کھول آنکھ' زمیں دیکھ' فلک دیکھ' فضا دیکھ!
مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!

یا ع

اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغِ زندگی

مختلف آفاقی نشانیوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ○ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ○ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ○ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ○ فَذَكِّرْ ﷻ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ○ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ○ ﴾

(الغاشية : ۱۷-۲۲)

"کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیے گئے' اور آسمان کی طرف کہ کس طرح اونچا کیا گیا' اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح گاڑ دیے گئے اور زمین کی طرف کہ کس طرح بچھا دی گئی۔ پس آپ مسلسل نصیحت کرتے رہیں' یقیناً آپ کی ذمہ داری تو نصیحت کرنے والے کی ہے۔ آپ ان کے خلاف داروغہ نہیں ہیں"۔

سب سے اہم اور پہلا قدم اللہ تعالیٰ کو پہچاننا ہے' لہٰذا اب اُسے یاد بھی رکھو۔ یہ ڈور کا ایک سرا ہے' اسے تھامے رکھو۔ اگر ڈور الجھ گی تو سلجھے گی نہیں۔ اسی کا نام ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سچے طالبانِ حق کی نشانیاں اور اوصاف ان الفاظ میں بیان کئے ہیں' فرمایا :

﴿ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ ﴾ (آل عمران : ۱۹۱)

"یہ وہ لوگ ہیں جو (ہر دم) اللہ کا ذکر کرتے ہیں چاہے کھڑے ہوں' چاہے بیٹھے ہوں اور چاہے اپنے پہلوؤں کے بل لیٹے ہوں' اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش پر غور کرتے ہیں اور (دعا کرتے ہیں) اے ہمارے پروردگار تو نے اسے بے فائدہ

© rasailojaraid.co

پیدا نہیں فرمایا۔ تیری ذات سبحان ہے (ہر نقص و عیب سے پاک)، پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے"۔

اس منزل پر پہنچ کر مزید تدبّر و غور و فکر جاری رہے تو طالبِ حق کا دل اس بات پر ٹھک جائے گا کہ یہ کائنات بغیر مقصد کے جاری نہیں ہے، اس کا نتیجہ نکلنا چاہیئے۔ یہ باطل نہیں ہے، بلکہ تخلیق بالحق ہے۔ ہر کام نتیجہ خیز ہے۔ اور اگر یہ ساری باتیں برحق ہیں تو ہمارے اندر جو نیکی اور بدی کا شعور اور ادراک ہے اُس کا نتیجہ کہاں ہے؟ اور گندم سے گندم اور جَو سے جو پیدا نہیں ہو رہا، بلکہ نیکی کا الٹا نتیجہ نکل رہا ہے، تو لازماً کوئی اور عالم ہونا چاہیئے جس میں ہر کام کا صحیح حق مل سکے۔ مشہور فلاسفی کانٹ نے بہت صحیح جملہ لکھا ہے کہ خدا کی ہستی کے دو دلائل ہیں :

The stary heavens above and the moral law within

جب ایک انسان یہاں تک پہنچ گیا، اس نے آفاقی و انفسی آیات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا اور یہ بھی جان گیا کہ یہاں ہر چیز کا نتیجہ ظاہر نہیں ہو گا، یہ دنیا نامکمل ہے، اس لئے کہ یہاں اخلاقی نتائج بر آمد نہیں ہو رہے تو بے اختیار کہنے لگا کہ لازماً ایک اور جہان ہونا چاہیئے۔ جو شخص اپنی عقل سے یہاں پہنچ گیا اب اگر وہ قرآن پڑھ لے تو لپک کر مانے گا کہ ہاں، یہی بات صحیح ہے۔

اس طرح کے دانشور تو اپنی فکر کے ذریعے منزلِ ایمان کے کنارے پہنچ جاتے ہیں، نور کی ایک جھلک اُن کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے، البتہ کچھ لوگ دلائل سننے کے بعد مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِن لوگوں کا حال اِن الفاظ میں بیان کیا ہے، فرمایا :

﴿ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ﴾

(آل عمران : ۱۹۳)

"اے ہمارے رب! ہم نے باآوازِ بلند ایمان کی پکار لگانے والے کو سنا، وہ کہہ رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ! چنانچہ ہم ایمان لے آئے۔"

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی بڑی خوبصورت تعبیر کی ہے، فرمایا : "ایک عقلی ایمان ہے جس میں سب سے پہلے اللہ کی معرفت، پھر آخرت کی معرفت ہے۔ دوسرا سمعی ایمان ہے"۔

ان دونوں طریقوں سے ایمان مکمل ہو جاتا ہے لیکن درجہ بدرجہ مکمل ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

جن کی فطرت صاف و شفّاف ہو اُن کو تو اتنا وقت نہیں لگتا' البتہ جن لوگوں کے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہوں اُن پر محنت کرنا ہوتی ہے' انہیں سمجھانا ہوتا ہے' سکھانا اور پڑھانا ہوتا ہے' بلکہ کچھ وقت تک انگلی پکڑ کر چلانا ہوتا ہے۔

ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ آج کے دور میں انسان اتنی مشقت کا متحمل نہیں ہو سکتا جتنی کہ سابقہ دور میں خانقاہی ریاضتیں کروائی جاتی تھیں۔ ہمیں کوئی اور ہلکا اور نسبتاً آسان طریق کار اختیار کرنا ہوگا۔ علامہ اقبال نے متبادل راستہ تجویز نہیں کیا' البتہ میرے خیال میں اس کا آسان حل "ذکر و فکر" ہے۔

ذِکر و فکر

اس موضوع پر خود علامہ کے دو شعر بہت بلند مقام کے ہیں ؎

جز بقرآں ضیغمی روباہی است
فقرِ قرآں اصلِ شاہنشاہی است
فقرِ قرآں اختلاطِ ذکر و فکر
فکر را کامل نہ دیدم جز بہ ذکر!

یہ "ذکر و فکر" ایک مجموعہ (Complex) ہے۔ ان دو عناصر میں سے اگر کسی ایک کی مقدار کم ہو تو دوسرے عنصر کی مقدار بڑھانا ہوگی۔ چنانچہ اگر فکر کی کمی ہے تو ذکر زیادہ کرنا ہوگا اور اگر ذکر مشقت ہے تو فکر کو آگے بڑھاؤ۔ دونوں ضرب کھائیں گے تو نتیجہ ایک ہی نکلے گا۔ ذہین طبقہ اگر فکر پر زیادہ زور دے گا تو ذکر کی کم مقدار بھی کفایت کر جائے گی ـــــ واللہ اعلم۔

(۳) **مختومین** : تیسرا اور آخری درجہ ان لوگوں کا ہے جن کی کج روی راسخ ہو چکی ہے' حجابات نہایت گہرے اور دبیز ہو چکے ہیں' دل سیاہ ہو چکے ہیں' جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے :

((اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اَخْطَأَ خَطِیْئَةً نُکِتَتْ فِیْ قَلْبِهٖ نُکْتَةً سَوْدَاءُ فَاِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَ تَابَ صُقِلَ قَلْبُهٗ وَاِنْ عَادَ زِیْدَ فِیْهَا حَتّٰی تَعْلُوَا قَلْبَهٗ وَهُوَ الرَّانُ الَّذِیْ ذَکَرَ اللّٰهُ ﴿ کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا کَانُوْا

© rasailojaraid.com

يَكْسِبُوْنَ○﴾ (۹)

"جب بندہ ایک گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ لگ جاتا ہے' پھر وہ گناہ سے باز آ جائے اور توبہ و استغفار کرے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے' اور اگر وہ (توبہ کے بغیر) دوبارہ گناہ کرتا ہے تو اس سیاہی میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ بالآخر گناہ سارے دل کو کالا کر دیتے ہیں۔ اسی کا نام "ران" (زنگ) ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے' فرمایا: "ہرگز نہیں' بلکہ ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے انہی لوگوں کے بارے میں مختلف مقامات پر مختلف انداز سے تبصرہ کیا ہے۔ فرمایا:

﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ﴾

(البقرۃ : ۷)

"اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔"

سمع و بصر اور فواد سے صلاحیتیں چھن چکی ہیں۔ ایسے لوگ روحانی طور پر مرے ہوتے ہیں۔ انذار' تبلیغ' تبشیر' وعظ اور نصیحت' کچھ بھی کارگر ثابت نہیں ہوتا' چاہے تبلیغ کرنے والے حضرت محمد ﷺ ہی کیوں نہ ہوں اور بذریعہ قرآن تبلیغ کر رہے ہوں اور سننے والا خالص عربی ہو اور قرآن کو خوب سمجھ رہا ہو' لیکن وہ دل تک اثر نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَاۗءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ○﴾ (البقرۃ : ۶)

"یقیناً جن لوگوں نے (جاننے اور سمجھنے کے بعد) کفر کیا نتیجہ برابر ہے خواہ آپ انہیں آگاہ کریں یا نہ کریں' وہ ایمان نہیں لائیں گے۔"

یہی مضمون سورۃ یٰسین آیت ۱۰ میں بھی بیان ہوا ہے۔ اس کیفیت کی تعبیر قرآن یوں بھی کرتا ہے: یہ زندہ ہیں ہی نہیں' ان کی انسانیت مر چکی ہے' روح دفن ہو چکی ہے۔ یہ مقبرے اور چلتے پھرتے تعزیے ہیں۔ فرمایا:

© rasailojaraid
© rasailojaraid

﴿ لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (یٰسین : ۷۰)

"تاکہ وہ (ہمارا نبی) اسے خبردار کردے جو زندہ ہو۔ البتہ کافروں پر تو حق کا قول یا حجت مکمل ہو جائے گی۔"

نیز فرمایا :

﴿ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْىِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ﴾ (النمل : ۸۰، ۸۱ والروم : ۵۲، ۵۳)

"یقیناً اے نبی! آپ ان مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ ہی بہروں کو سنا سکتے ہیں جب وہ خود ہی منہ پھیر کر چل دیں۔ اور نہ ہی آپ اندھوں کو اُن کی گمراہی میں ہدایت دے سکتے ہیں۔ آپ صرف اُن لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لائیں اور پھر وہ تابع فرمان بن کر زندگی گزاریں۔"

واضح رہے کہ اہم مضامین قرآن حکیم میں کم سے کم دو مرتبہ ضرور آتے ہیں۔

خلاصہ بحث :

(۱) شعوری ایمان جو بالقوۃ ہر روحِ انسانی کے اندر موجود ہے اس کو صرف قرآن کے ذریعے منور (activate) کیا جائے گا۔ ذہین لوگوں تک ایمان پہنچانے کا صرف یہی راستہ ہے جس پر میں خود (ڈاکٹر اسرار احمد) اور پوری انجمن خدام القرآن عرصۂ دراز سے کوشش و جستجو کر رہی ہے۔

(۲) جن لوگوں کے دل صاف و شفاف ہیں وہ آدھی بات سن کر ہی مکمل ایمان لے آتے ہیں۔

(۳) جن کے دلوں پر ہلکے پردے ہیں ان کو وعظ و نصیحت اور تبلیغ و تذکیر کے ذریعے ایمان تک لایا جائے۔

(۴) البتہ جن لوگوں کے دل گمراہی پر مہر زدہ ہیں اُن کے بارے میں ظاہری مایوسی کے باوجود اُن پر محنت جاری رکھی جائے گی اور ساتھ ساتھ اللہ کے حضور ان کی ہدایت کی خاطر دعا بھی کی جائے گی۔(۱۰)

© rasailojaraid
© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

آخر میں ہم سب اپنے لئے اور پوری انسانیت کے حق میں دعا کرتے ہیں :

"رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْعَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ○ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَاتُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ○ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ○"

حواشی

۱) شعوری ایمان کے نتیجے میں اعمالِ صالحہ پیدا ہوں گے جس طرح بیج سے درخت پیدا ہوتا ہے اور اعمال صالحہ کے ذریعے ایمان کی جڑ پیدا ہوگی جس طرح کسی درخت کی قلم لگانے سے چند دن کے بعد جڑ بن جاتی ہے اور پھر یہی جڑ اس قلم کو پروان چڑھاتی اور خوراک مہیا کرتی ہے۔ (اضافہ از مرتب)

۲) صحیح ابن حبان (الاحسان)، ح ۳۴۴۳ و مسند البزار، ح ۲۵ و ابوداوٗد، ح ۲۴۱۵ و مسند احمد ۳۹/۵ و ۴۰ و ۴۱ و ۵۲ و ۴۸ و سنن النسائی ۱۳۰/۴ و دیگر کتب حدیث۔

۳) سائیں عبدالرزاق صاحب دیپال پور میں رہتے تھے جو پڑھے لکھے نہ تھے۔ سلسلۂ نقشبندیہ سے متعلق تھے لیکن عمل میں خالص اہل حدیث۔ نصف النہار کے ساتھ ہی ظہر کی نماز پڑھتے تھے۔ وہ جہری ذکر کرتے تھے جس کی لذت میں اب بھی محسوس کرتا ہوں۔ چونکہ وہ روہتک ضلع حصار سے متعلق تھے لہٰذا اسی زبان میں وہ کہتے تھے: "جو دم غافل سو دم کافر"۔ گویا کہ ایمان و کفر کی یہ بھی ایک تعریف (definition) ہے۔ دوسرا جملہ وہ یہ کہتے تھے: "صحبت فرائض راکھی" یعنی صاحب یقین کی صحبت و قرب فرض رکھی گئی ہے۔ (ماخوذ)

۴) جامع الاصول لابن اثیر ۵۸۵/۸، ح ۶۴۰۵ بحوالہ رزین و الفردوس بماثور الخطاب المعروف مسند الدیلمی ۹۲/۴، ح ۶۲۸۶ و کنز العمال ح ۳۲۶۱۲۔

۵) "آسمانوں اور زمینوں کا نور اللہ ہے" کیا معنی؟ یعنی زمین و آسمان کی کل حقیقتیں اگر کھلیں گی تو اللہ کی طرف سے آنے والے نور کے ذریعے۔ گویا کہ حقائق تک پہنچنے کی یہ کلید ہے۔ یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ اندھیرا بے چینی و اضطراب کا سبب بنتا ہے کیونکہ آپ قرب و جوار کی اشیاء کو پہچان نہیں رہے ہوتے اور روشنی سکون کا ذریعہ ہے کیونکہ آپ اشیاء کی حقیقت کو پہچان رہے ہیں۔ اسی طرح ایمان باللہ حقائق تک رسائی کی کلیدِ اعظم ہے۔ (ماخوذ)

۶) یعنی مشغولیت فی الدنیا اور یہ ان لوگوں میں سے ہوتا ہے جو خارج کی دنیا میں دلچسپی رکھنے

© rasailojaraid.c

والے' اِدھر اُدھر جانے والے' کھیل کود اور تماشوں میں زندگی گزار دینے والے ہوں۔ ان لوگوں کے پاس حقائق پر غور کرنے کا وقت ہی نہیں ہوتا۔

۷) اور یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن حکیم نے کہا ہے : ﴿ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ﴾ (المطففین : ۱۴) "بلکہ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ آگیا ہے"۔

۸) جب زمین میں محنت سے بامقصد زراعت نہ کی جائے تو بے ڈھنگے جھاڑ بوٹے از خود اُگ آتے ہیں۔ یہی کیفیت ہوتی ہے ان لوگوں کی جنہوں نے دین کو سنجیدگی سے نہ پڑھا ہو اور ادھر ادھر کے فلسفے پڑھ لئے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ حقیقی علم سے کورے ڈگری یافتہ جب غیر اسلامی فلسفہ پڑھتے ہیں تو نہ مسلمان رہتے ہیں اور نہ کافرانہ فلسفہ ہضم کرنا ان کے لئے آسان ہوتا ہے۔ (ماخوذ)

۹) سنن الترمذی' کتاب التفسیر' باب ۷۴' ح ۳۳۳۴ و سنن ابن ماجہ' کتاب الزہد' باب ذکر الذنوب' ح ۴۲۴۴ والسنن الکبریٰ للنسائی ۵۰۹/۶' کتاب التفسیر سورۃ المطففین' ح ۱۱۶۵۸۔ امام الترمذی نے حدیث کو "حسن صحیح" کہا ہے۔ علامہ الالبانی نے سنن الترمذی و سنن ابن ماجہ کی تحقیق میں حدیث کو "حسن" قرار دیا ہے۔

۱۰) سنّتِ مہجورہ : اس میں کوئی شک نہیں کہ تیسرے درجے پر پہنچنے والے لوگ شدید گمراہی کا شکار ہوتے ہیں۔ ان کے دل مردہ اور دیگر صلاحیتیں حق کے لئے بند بلکہ مہر زدہ ہوتی ہیں۔ لیکن مبلغین' دعاۃ اور علماء کا فرض ہے کہ وہ حتی الوسع ان تک دین کی آواز پہنچانے کی کوشش کرتے رہیں۔ یہ کہہ کر جان چھڑا لینا تو بڑا آسان ہے کہ یہ گمراہ قوم ہے ان پر محنت کا کیا فائدہ؟ یہ جملہ کسی کو بھی آخرت کی جوابدہی سے نجات نہ دلا سکے گا۔ بلکہ سیرت طیبہ کا مطالعہ کر کے دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ نے آخری لمحہ حیات تک امت کو خیر پہنچانے کی بھرپور کوشش کی۔ اس ضمن میں دوسری اہم سنت جس کو ہم سب بھلائے بیٹھے ہیں وہ یہ ہے کہ کافروں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا کہ اے اللہ! ہمارے ان انسانی بھائیوں کو تُو اپنے فضل و کرم سے ہدایت عطا فرما۔ اس کے لئے خلوت کا وقت اور بالخصوص رات کا آخری پہر بہت مبارک وقت ہے۔ ذرا غور کریں کہ نبی ﷺ کس طرح عاجزی و انکساری کے ساتھ عام کافروں کے حق میں اور بالخصوص صاحبِ حیثیت حضرات کے حق میں دعا کیا کرتے تھے۔ اور ہمیں بھی اس سنت کو زندہ کرنا چاہئے۔ (اضافہ از مرتب)

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.